(مضامین علمیہ)

سُنّت اور حدیث

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد زید مجدہم
مُدرّس و نائب مُفتی و فاضل جامعہ مدنیہ

عربی لغت میں سُنّت کے معنیٰ

۱۔ ابن درید کتاب الجمہرۃ میں لفظ سُنّت کے ذیل میں لکھتے ہیں۔

السنۃ معروفۃ وسن فلان سنۃ حسنۃ أو قبیحۃ یسنہا سنا

سُنّت کا معنی (عام بستہ) معروف ہے کہا جاتا ہے فلاں شخص نے اچھی یا بُری سُنّت (طریقہ) جاری کی۔

۲۔ علّامہ زمخشری اپنی کتاب اساس میں لفظ سُنّت کے تحت لکھتے ہیں۔

سن سنۃ حسنۃ طرق طریقۃ حسنۃ واستن بسنۃ فلان تسنن عامل بسنۃ

فلاں شخص نے سُنّتِ حسنہ جاری کی یعنی اچھا طریقہ تجویز کیا اور فلاں شخص کی سُنّت کی پیروی کی یعنی اس کے طریقے پر عمل کیا

۳۔ علّامہ ابن منظور افریقی لسان العرب میں لکھتے ہیں:

السنۃ السیرۃ حسنۃ کانت اوقبیحۃ قال خالدبن عتبۃ الھذلی

فلا تجزعن من سیرۃ انت سرتھا فأول راض سنۃ من یسیرھا

اور سُنّت بمعنی سیرت بھی آتا ہے خواہ اچھی ہو یا بُری چنانچہ خالد ہذلی کا شعر ہے

جو سیرت تم نے اختیار کر لی ہے اس سے ہرگز مت گھبراؤ اس لیے کہ جو شخص کوئی سیرت اختیار کرتا ہے وہی اس کو سب سے پہلا پسند کرنے والا ہوتا ہے۔

۴۔ لسان العرب ہی میں ہے۔

وکل من ابتداء امرا عمل بہ قوم بعدہ قیل ھوالذی سنّہ۔ قال نصیب

کانی سننت الحب اول عاشق من الناس اذ احببت من بینھم وحدی

اور جو شخص کسی بھی کام کو کرتا ہے اور لوگ اس پر عمل کرتے ہیں تو کہا جاتا ہے فلاں شخص نے یہ سُنّت جاری کی۔ نصیّب شاعر کہتا ہے۔

گویا میں ہی دُنیا میں پہلا عاشق ہوں جس نے محبّت کی سُنّت جاری کی اس لیے کہ میں ہی ان میں اکیلا محبّت کرنے والا ہوں

۵۔ شمر بن حمدویہ نے کہا

السنۃ فی الاصل سنۃ الطریق وھو طریق سنہ اوائل الناس فصار مسلکا لمن بعدھم۔ وسن فلان طریقا من الخیر یسنہ اذا ابتدأ امرًا من البر لم یعرفہ قومہ فاستسنوا بہ وسلکوہ

سُنّت وہ راستہ ہوتا ہے جس پر پہلے لوگ چلتے آئے حتّٰی کہ وہ بعد میں آنے والوں کے لیے مسلک بن جاتا ہے۔ محاورہ ہے۔ فلاں شخص نے خیر کا راستہ جاری کیا۔ یہ اس شخص کے لیے بولا جاتا ہے جس نے کسی ایسے نیک کام کی ابتداء کی ہو جس سے لوگ ناواقف ہوں اور اس کو دیکھ کر سب نے وہ کارِ خیر اختیار کیا ہو، اور اس کی پیروی کی ہو۔

ان اقتباسات کا حاصل یہ ہے کہ لغت میں سُنّت اس عمل اور طریقے کو کہتے ہیں جس کو بعد میں لوگوں نے اختیار کر لیا ہو (جیسا کہ شمر بن حمدویہ کے اقتباس سے ظاہر ہے) یا لوگوں نے جس کو اختیار کرنا ہو (جیسا کہ نصیّب کے شعر سے واضح ہے) دوسرے لفظوں میں سُنّت وہ رستہ ہے جو پیروی اور اتباع کے قابل ہو۔ اسی بناء پر لغت کے اعتبار سے سنت الطریقۃ المسلوکۃ (عام پامال رستہ) کو کہتے ہیں۔ پھر وہ راستہ اچھّا بھی ہو سکتا ہے اور بُرا بھی۔ جن اہلِ لغت نے اسکے ساتھ حسنہ (اچھے) کا ذکر کیا ہے اس کو انھوں نے بطورِ مثال ذکر کیا ہے۔ حسنہ کے ساتھ مخصوص نہیں کیا۔ قرآن و حدیث میں بھی اس کا استعمال دونوں طرح کے طریقوں میں ہے۔

اچھے طریقے میں استعمال کے بارے میں یہ آیت ہے۔

سنۃ من قد ارسلنا قبلك من رسلنا (سورۂ اسراء)

تم سے پہلے جو رسول ہم نے بھیجے ان کی سُنّت (یعنی راہ حق پر ثابت قدمی)
بُرے طریقے میں یہ استعمال ہے۔
کذلك نسلكه فی قلوب المجرمین لا یؤمنون به وقد خلت سنة الاولین
(سورہ حجر)
ہم اسی طرح اس (کفر و استہزاء) کو مجرموں کے دلوں میں داخل (وجاگزیں) کردیتے ہیں۔ وہ اس (نبی) پر ایمان نہیں لاتے۔ پہلی قوموں کی راہ پڑ چکی ہے (اسی پہ یہ بھی چل رہے ہیں)
اسی طرح ایک ہی حدیث میں سُنّت کے لفظ کا دونوں طریقوں میں استعمال ہوا ہے۔
من سَنَّ سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها من غیر ان ینقص من اجورهم شئ ومن سَنَّ سنة سیئة کان علیه وزرها ووزر من عمل بها من غیر ان ینقص من اوزارهم شئ
جس شخص نے کوئی اچھی سنّت جاری کی اس کو اس پر عمل کا اجر بھی ملے گا اور دوسرے عمل کرنے والوں کا اجر بھی۔ اس کے بغیر کہ ان کے اجر میں کوئی کمی آئے اور جس شخص نے کوئی بُری سُنّت جاری کی اس پہ اپنا گناہ بھی ہوگا اور اس پر عمل کرنے والوں کا گناہ بھی اس کے بغیر کہ اُن کے گناہ میں کوئی کمی آئے۔

دینِ اسلام میں سُنّت کا معنی

اُوپر معلوم ہو چکا کہ از روئے لغت سُنّت کا مطلب الطریقة المسلوکة (چلا ہُوا اور پامال رستہ)۔ اس معنی کی رعایت کرتے ہُوئے دین میں سُنّت کا معنی ہو گا الطریقة المسلوکة فی الدین (دین میں پیروی کیے جانے کے قابل طریقہ)
البتّہ یہاں دو فرق آجائیں گے۔
۱۔ دین تو سارے کا سارا خیر پر مشتمل ہے اور شر سے دُور ہے لہٰذا دین میں سُنّت تو

فقط حسنہ ہی ہوگی۔

۲۔ چونکہ سنّت میں اتّباع کا معنی پایا جاتا ہے۔ لہٰذا دین میں سُنّت صرف ان ہی لوگوں کی ہوگی جن کی اتّباع کا شریعت نے ہمیں حکم دیا ہے۔

دین میں کن لوگوں کے اتباع کا حکم ہے

۱۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم

قرآن پاک میں ہے۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجو اللّٰہ والیوم الآخر

بخدا تمہارے لیے رسول اللہ (کی مقدس ہستی) میں بہترین نمونہ ہے۔ اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخر سے ڈرتا ہے۔ اسوہ کا معنی ہے ما یتأسی بہ یعنی جس کا اتّباع کیا جائے۔

۲۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

الف۔ قرآن پاک میں ہے۔

فان اٰمنوا بمثل ما اٰمنتم بہ فقد اھتدوا

اگر یہ بھی اسی طرح ایمان لاویں جس طرح پر تم ایمان لائے ہدایت پائی اُنھوں نے بھی۔

اس وقت کے مخاطبین صحابہ کرام ہی تھے۔

ب۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا

اصحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم اھتدیتم

میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں۔ لہٰذا ان میں سے جس کی بھی اتباع کروگے ہدایت پاؤگے

قرآن پاک میں ہے۔

۳۔ تابعین وتبع تابعین

حدیث میں ہے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔

خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم

سب سے بہتر میرے زمانے کے لوگ ہیں (یعنی صحابہ) پھر جو اُن کے بعد ہیں (یعنی تابعین) پھر جو اُن کے بعد ہیں (یعنی تبع تابعین)۔

اس ارشاد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان حضرات کی خیریّت اور اُن کے اتّباع کا حکم فرمایا ہے۔

دین میں مندرجہ ذیل حضرات کے طریقہ کو سُنّت کہا گیا

__سُنّت رسول__ : رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا

ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللہ وسنة رسوله

میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں جب تک تم ان کو تھامے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہوگے (ایک) کتاب اللہ اور (دوسرے) اللہ کے رسول کی سُنّت۔

__سُنّت خلفائے راشدین__ : رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا

علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المھدیین

لازم پکڑو میری سُنّت کو اور خلفائے راشدین مہدیین کی سُنّت کو

__سُنّت صحابہ__ : حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا

من کان مستناً فلیستنّ بمن قدمات فان الحی لا تومن علیه الفتنة اولئك اصحاب محمد صلّی اللہ علیه وسلّم ... الخ

جو کوئی کسی کی سُنّت اختیار کرنا چاہتا ہے تو وہ اُن کی سُنّت اختیار کرے جو وفات پا گئے ہیں کیونکہ زندہ کے بارے میں فتنہ میں مُبتلا ہونے کے اندیشہ سے امن نہیں ہے اور یہ لوگ محمدؐ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اصحاب ہیں۔۔۔ الخ

چونکہ صحابہ کا قول وعمل بھی سُنّت ہے۔ اسی لیے حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ نے ایک موقع پر ایک مسئلہ کو سُنّت کہا اور مبسوط میں ہے اس سے اُن کی مُراد حضرت زید بن ثابت کی سُنّت تھی۔ والیه اشیر فی المبسوط فقیل وقوله سعید انه السنة یعنی سنة زید

(ص ۳۱ کشف الاسرار علی البزدوی ج ۲)

سُنّت تابعین : رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے کسی ارشاد میں یا کسی صحابی کے قول میں کسی تابعی یا اُن کے بعد والے کے طریقے اور قول و عمل کو صراحۃً سُنّت نہیں کہا گیا۔ البتّہ چونکہ حدیث خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم میں تابعین اور تبع تابعین کی خیریت کو ذکر کیا گیا ہے تاکہ اُن کا اتّباع کیا جائے اس لیے امام مالک اور امام اوزاعی رحمہما اللہ جو کہ خود تبع تابعین میں سے ہیں۔ تابعین کے قول و عمل کو قابلِ اتّباع سمجھ کر اس پر سُنّت کے لفظ کا اطلاق کرتے ہیں۔

امام مالک اور امام اوزاعی رحمہما اللہ کے مقابلے میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ چونکہ خود تابعین میں سے تھے اس لیے وہ دیگر تابعین کے قول و عمل کو اپنے لیے قابلِ اتّباع نہیں سمجھتے تھے اور فرماتے تھے۔

ماجاءنا عن رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم قبلناہ علی الرأس والعین وماجاءنا عن اصحابہ رحمھم اللہ اخترناہ منہ ولم نخرج عن قولھم وما جاءنا عن التابعین فھم رجال و نحن رجال۔

ہمارے پاس جو طریقہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا آئے گا ہم اُسے سر آنکھوں پر قبول کریں گے اور جو آثار صحابہ رحمہم اللہ کے ہمارے سامنے آئیں گے۔ ہم اُن میں سے کسی ایک قول کو ترجیح دیکر اختیار کریں گے اور ان کے اقوال سے باہر نہیں نکلیں گے۔ (یعنی ان سب کو چھوڑ کر اپنی رائے اور قیاس کو اختیار کرلیں ایسا نہیں کریں گے۔) اور جو اقوال تابعین کے ہمارے سامنے آئیں گے تو وہ بھی مرد میدان ہیں اور ہم بھی (یعنی جیسے اُنھوں نے اجتہاد کیا ہم بھی اجتہاد کریں گے۔)

(ص ۴۱ سُنّت کا تشریعی مقام ۔ مولانا ادریس میرٹھی رحمہ اللہ)

یہی وجہ ہے کہ اگرچہ حنفیہ تابعین کے اجتہادات کو اثبات حکم اور استنباط معنی کے اعتبار سے طریقہ حسنہ اور سنّت کہنا جائز سمجھتے ہیں لیکن خود کہتے نہیں۔

امام ابویُوسف رحمہ اللہ اپنی کتاب الرد علی سیر الاوزاعی میں لکھتے ہیں

واھل الحجاز یقضون بالقضاء فیقال لھم عمن فیقولون بھذا جرت السنۃ ۔ وعسٰی ان یکون قضی بہ عامل السوق أو عامل مامن

الجہات ص۱۱)

اہلِ حجاز کوئی قول کرتے ہیں اور جب اُن سے پُوچھا جاتا ہے کہ یہ قول کس سے لیا ہے تو کہتے ہیں کہ اسی طرح سُنّت جاری ہے حالانکہ ہوسکتا ہے کہ وہ بات بازار کے کسی عامل یا کسی اور قسم کے عامل نے جاری کی ہو ، (یعنی جبکہ وہ اہلِ علم و اجتہاد نہ ہوں)

یہاں امام ابو یُوسف رحمہ اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ "تابعین کے طریقے کو سُنّت نہیں کہا جاسکتا۔ بس یہ فرمایا کہ مطلقاً ہر تابعی تو مُراد نہیں لے سکتے بلکہ قابل اقتدا اگر ہیں تو وہ "تابعین ہیں جو مجتہد اور فقہاء ہوں۔

امام ابو یُوسف رحمہ اللہ کے ایسا کہنے کی وجہ یہ تھی کہ امام مالک اور امام اوزاعی بعض اوقات غیر مجتہد اور غیر فقیہ "تابعین کے قول و عمل کو بھی سُنّت کہہ دیتے ہیں۔

وقد حکی عن الشافعی انہ اذا قال مالک السنۃ عندنا او السنۃ ببلدنا کذا فانما یرید بہ سنۃ سلیمان بن بلال وکان عریف السوق (ص ۳۰۹ ج۲ کشف الاسرار علی البزودی)

امام شافعی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ جب امام مالک رحمہ اللہ یہ کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک یا ہمارے شہر میں سُنّت یہ ہے تو اس سے اُن کی مُراد سلیمان بن بلال کی سُنّت ہوتی ہے جو کہ بازار کے عامل تھے۔

اسی طرح امام ابو یُوسف رحمہ اللہ امام اوزاعی رحمہ اللہ کے قول پہ نقد کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

اما قول الاوزاعی علی ھذا کانت ائمۃ المسلمین فیما سلف فھذا کما وصف من اھل الحجاز اورای بعض مشائخ الشام ممن لا یحسن الوضوء ولا التشھد ولا اصول الفقہ صنع ھذا فقال الاوزاعی بھذا مضت السنۃ

(ص ۲۱ الرد علی سیر الاوزاعی)

اوزاعی کا یہ کہنا کہ سابقہ ائمہ مسلمین اس طریقے پر تھے ایسا ہی ہے جیسا کہ اہلِ حجاز کے بارے میں بتایا گیا۔ یا اوزاعی نے شام کے بعض ایسے بڑوں کو وہ کام کرتے دیکھا جن کو نہ وضو اور تشہد کے مسائل سے پُوری آگاہی تھی اور نہ ہی اصول فقہ سے اور (اوزاعی نے) کہہ دیا کہ یہی سُنّت جاری ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حنفیہ کے ہاں سنّتِ تابعین کا اطلاق نہیں پایا جاتا۔ اگرچہ وہ اس اطلاق کا بالکل انکار بھی نہیں کرتے مگر اس شرط کے ساتھ اطلاق کرتے ہیں کہ وہ تابعی مجتہد ہوں، البتہ دیگر حضرات کے یہاں "سُنّتِ تابعین" کا اطلاق پایا جاتا ہے۔

یہاں صرف لفظِ سُنّت کے اطلاق کے بارے میں بحث ہے۔ ورنہ وہ کبار تابعین جن کے فتاوٰی صحابہ کے زمانے میں رائج ہوئے ان کے اقوال حنفیہ کے نزدیک حجت ہیں۔

اب ہمارے سامنے سُنّت کے دو فرد ہیں۔ سُنّتِ رسول اور سنّتِ صحابہ۔ ان میں بھی جو فرد کامل ہے۔ وہ سُنّتِ رسول ہے کیونکہ وہی علی الاطلاق قابلِ اتّباع ہے۔ جبکہ سُنّتِ صحابہ اول تو خود سُنّتِ رسول سے مستفاد ہے دوسرے اس کی حجیت اسی بناء پر ہے کہ وہ سُنّتِ رسول کے موافق ہے۔ سُنّت میں چونکہ سُنّتِ رسول اس کا فردِ کامل ہے لہٰذا جب سُنّت کو مطلق بولا جاتا ہے تو اس سے سُنّتِ رسول مراد ہوتی ہے۔ روایت میں بھی ایسا ہی ہے۔

والحاصل ان الراوی اذا قال من السنة كذا فعند عامة اصحابنا المتقدمين واصحاب الشافعي وجمهور الحديث يحمل على سنة الرسول عليه السّلام واليه ذهب صاحب الميزان من المتاخرين۔

حاصل یہ ہے کہ جب راوی کہتا ہے کہ فلاں بات سُنّت ہے تو متقدمین حنفیہ اور اصحاب شافعی اور جمہور محدثین کے نزدیک اس سے مُراد سُنّت رسول اللہ ہوتی ہے۔ متاخرین حنفیہ میں سے صاحب میزان کا بھی یہی قول ہے۔

اور اصول میں بھی ایسا ہی ہے۔ کیونکہ اصولیین جب شریعت کے چار دلائل (یعنی کتاب، سُنّت، اجماع اور قیاس) میں قیاس کو ذکر کرتے ہیں اور قیاس میں صحابہ کے اجتہادات بھی شامل ہیں تو اُن کے نزدیک سُنّت خاص ہو گئی سُنّتِ رسول کے ساتھ۔

اس کا بیان یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجنے لگے تو اُن سے پُوچھا كيف تصنع ان عرض لك قضاء؟ قال اقضى بما فى كتاب الله قال فان لم يكن فى كتاب الله قال فبسنة رسول الله صلّى الله عليه وسلّم قال فان لم يكن فى سنة رسول الله صلّى الله عليه وسلّم قال اجتهد برائى ولا آلو . . . الخ

اگر تمہارے پاس کوئی مقدمہ آیا تو تم کس طرح فیصلہ کرو گے ۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں کتاب اللہ میں مذکور کے مطابق فیصلہ دوں گا ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پُوچھا اگر وہ مسئلہ کتاب اللہ میں مذکور نہ ہو ؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ پھر میں رسول اللہ کی سُنّت کے مطابق فیصلہ دوں گا ۔ آپ نے پُوچھا اگر وہ مسئلہ رسول اللہ کی سُنّت میں نہ ہو تو پھر (کیا کرو گے) اس پر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ (پھر) میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا ۔ اور کسی قسم کی کوتاہی نہ کروں گا ۔

چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دَور میں اجماع کی ضرورت نہ تھی اس لیے شریعت کے دلائل وماٰخذ علی الترتیب یہ تین تھے ۔ کتاب اللہ ، سُنّت رسول اور صحابہ کے قیاس واجتہادات ۔ غرض اُصول میں سُنّت سے مُراد متعیّن طور پر سُنّتِ رسول ہے ۔ رہی سُنّتِ صحابہ تو صحابہ کے اقوال وافعال یا تو اس پر مبنی ہیں کہ اُنھوں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ویسا کرتے یا کہتے سُنا تھا ۔ (بالفاظ دیگر وہ مرفوع کے حکم میں ہیں) یا صحابہ کے اجتہادات ہیں جو اصلاً تو دلیل قیاس کے ذیل میں آتے ہیں ، لیکن چونکہ ان کی اتباع کا بھی حکم ہے لہٰذا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ان ہی کے کسی قول کی اتباع کی پابندی کرتے ہیں ۔

تنبیہ

ہمارے اس کلام سے بخوبی واضح ہوگیا ہے کہ بعض تجدد پسندوں نے عامۃ المسلمین کے طریقے کو بھی سُنّت اور اسی طرح دین میں حجت شمار کیا ہے وہ اُن کی بہت بڑی غلطی ہے کیونکہ عامۃ المسلمین کا طریقہ جبکہ اسے فی الواقع مجتہدین کے قیاس یا اجماع کی تائید حاصل نہ ہو تو قرآن وسُنّتِ رسول کی رو سے قابلِ اتباع ہی نہیں تو اس کو سُنّت کہنا ہی غلط ہے ۔ اور "نتیجۃً" وہ شرعی حجت بھی نہیں بن سکتا ۔

سُنّت کے لیے تواتر عملی شرط نہیں

تواتر عملی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر آج تک ہر دَور میں عمل کرنے والوں کا ایک جم غفیر اس پر عمل کرتا رہا ہو بایں طور کہ از روئے عادت ان سب کا جھُوٹ یا خطا پر اتفاق کرنا محال ہو ۔

اگرچہ بہت سے اعمال مثلاً مسواک ، پانچ فرض نمازیں ، نمازوں کی رکعات اور نمازوں کا قیام رکوع سجود پر مشتمل ہونا اور دیگر بہت سے اعمال میں تواترِ عملی موجود ہے ، لیکن سُنّت ثابت ہونے کے لیے تواترِ عملی بہر حال شرط نہیں ہے ۔ ایک حدیث میں ہے :

عن بلال بن الحارث المزنی قال قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم من احیا سنۃ من سنتی قد امیتت بعدی فان لہ من الاجر مثل اجور من عمل بھا من غیر ان ینقص من اجورھم شیئا ... (رواہ الترمذی بحوالہ مشکوٰۃ)

بلال بن حارث مزنی نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا جس نے میری کسی ایسی سنّت کو زندہ کیا جو میرے بعد متروک ہو چکی تھی تو پھر جو لوگ اس پر عمل کریں گے اُن کے اجر میں کمی کیے بغیر ان سب کے برابر اجر اس زندہ کرنے والے کو ملے گا۔

جو سُنّت منسوخ ہو چکی ہو وہ اب سُنّت نہیں رہی

چونکہ سُنّت کے مفہوم میں اتّباع اور پیروی کا معنی شامل ہے اس لیے وہ سُنّت جو منسوخ ہو چکی ہے وہ اگرچہ نسخ سے پہلے قابلِ اتّباع ہونے کی وجہ سے سُنّت تھی لیکن اب قابلِ اتّباع نہ رہنے کی وجہ سے اس کو سُنّت نہیں کہیں گے۔ اگر اس پر سُنّت کا اطلاق کریں گے بھی تو سُنّتِ منسوخہ کے الفاظ استعمال کریں گے جو خود اس پر دلیل ہے کہ وہ سنّت نہیں رہی۔

حاصل یہ ہے کہ سُنّت باقی رہنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ منسوخ نہ ہوئی ہو۔ منسوخ ہونا دو طرح سے ہوتا ہے۔ ایک صُورت یہ ہے کہ صریح لفظوں میں نقل ہو کہ پہلے ایک عمل تھا پھر دوسرا عمل اس کی جگہ آیا جیسے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور الا فزوروھا (میں نے تمہیں زیارت قبور سے روکا تھا تو سُنو اب قبروں کی زیارت کیا کرو) دوسری صورت یہ ہے کہ ایک عمل کے دوام کی تو دلیل نہ ہو۔ البتّہ اس کے مقابل عمل کا ثبوت مل رہا ہو۔ مثلاً رکوع میں جاتے اور رکوع سے اُٹھتے ہوئے رفع یدین کے دوام کی دلیل تو موجود نہیں البتّہ ترک رفع یدین دلیل سے ثابت ہے۔

سُنّتِ (رسول) کی تعریف

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے (قابل اتّباع) قول فعل اور تقریر کو سُنّت کہتے ہیں۔

اُوپر ہم بیان کر چکے ہیں کہ سُنّت قابلِ اتباع طریقہ کو کہتے ہیں۔ اس اعتبار سے آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے فعل و عمل کا طریقہ ہونا تو ظاہر ہے۔ ایسے کام جو دوسروں کے سامنے نہیں کیے جا سکتے یا ایسے معاملات

جن کی رسول کو خود ضرورت پیش نہ آئی ہو ان کو قول سے بیان کیا جا سکتا ہے اور جو کر کے بھی دکھائے جاسکتے ہوں اُن کو زبانی بھی بیان کر دیا جائے تو طریقہ کا علم اس سے بھی ہوتا ہے۔ اسی طرح رسول کا کسی کو کوئی کام کرتے ہُوئے دیکھ کر خاموشی اختیار کرنا اس بات کی خاموش اجازت اور بیان سکوتی ہے کہ یہ ہمارے طریقے کے موافق ہے۔

یہ کلام نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ان اقوال وافعال اور تقریر میں واضح ہے جن میں آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا کوئی قابلِ اتباع طریقہ ملتا ہے۔ رہے آپ کے ایسے اقوال اور افعال جن میں یا تو بظاہر کوئی قابلِ اتباع طریقہ نہیں ملتا یا فی الواقع سرے سے ان میں اتباع ہے ہی نہیں مثلاً

آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے احوالِ غیر اختیاریہ۔ ان کو خود آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بیان کیا ہو یا صحابہ نے بیان کیا ہو۔ ان میں اس اعتبار سے سنیت موجود ہے کہ ان کا بیان کرنا مندوب و مستحب ہے۔

آئندہ پیش آنے والے واقعات یا جنّت دوزخ کے حالات کا بیان۔ ان میں بھی سنیت اس اعتبار سے ہے کہ ان پر ایمان لانا ضروری ہے اور ان کو بیان کرنا مندوب و مستحب ہے۔

البتّہ جو حضرات اس اعتبار سے ان کی سُنیّت کی طرف نظر نہ کریں تو اُن کے نزدیک ان میں قابلِ اتباع طریقہ مذکور نہ ہونے کے باعث یہ سُنّت میں شامل نہیں ہوں گے۔ بلکہ یہ حدیث میں شامل ہوں گے جس کا بیان آگے آرہا ہے

اسی طرح آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے وہ افعال جو آپ کے ساتھ مخصوص ہیں مثلاً چار سے زیادہ نکاح کرنا۔ بلامہر نکاح کرنا وغیرہ ان کے سرے سے قابلِ اتباع نہ ہونے کے باعث اُن کو سُنّت میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ البتّہ حدیث میں یہ شامل ہوں گے

حدیث

حدیث اصل میں قدیم کی ضد کو کہتے ہیں۔ پھر اس کا اطلاق گفتگو اور کلام پر ہونے لگا۔ حدیث کے اصطلاحی معنی میں اس کے اصل معنی کی رعایت کی گئی ہے۔ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اس کی صفت قدیم ہے جبکہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا بیان حدیث ہے۔

اصطلاح میں حدیث کا لفظ دو معنیٰ پر بولا جاتا ہے۔

حدیث کا پہلا معنیٰ

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے قول، فعل اور تقریر (پر مشتمل بیان) کو حدیث کہتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ متن حدیث ہے۔

پہلے معنی میں حدیث کے اور سنت کے درمیان فرق و نسبت

حدیث کے معنی میں اتباع کا مفہوم داخل نہیں ہے جبکہ سُنّت کے معنی میں یہ مفہوم داخل ہے۔ اس لیے اگرچہ لفظوں میں سُنّت اور حدیث کی تعریف ایک ہی ہے لیکن اتباع کے مفہوم کے ان کے معنی میں داخل ہونے کے اعتبار سے دونوں میں فرق ہے اور ان کے مابین عموم خصوص مطلق کی نسبت پائی جاتی ہے۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے وہ اقوال و اعمال جو قابلِ اتباع ہیں وہ سُنّت کہلاتے ہیں جبکہ حدیث میں یہ بھی شامل ہیں۔ اور وہ اقوال و اعمال بھی شامل ہیں جن میں اُمّت کے لیے اتباع کا مفہوم نہیں ہے۔ غرض حدیث عام مطلق ہے جس میں سُنّت اور غیر سُنّت دونوں شامل ہیں۔

حدیث کا دوسرا معنیٰ

متن اور سند کے مجموعہ کو بھی حدیث کہتے ہیں۔ اس معنی کے اعتبار سے حدیث کی یہ تعریف کرنا صحیح ہے۔ ھو ما اضیف الی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم قولاً اَوْ فعلاً اَوْ تقریراً یعنی وہ قول یا فعل یا تقریر جس کی نسبت رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف کی گئی ہو۔ اگر سند قوی ہوگی تو اس قول و فعل کی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف نسبت قوی اور قابلِ اعتبار ہوگی اور اگر سند کمزور و ضعیف ہوگی تو آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف قول و فعل کی نسبت بھی ضعیف ہوگی۔ غرض اس معنی میں حدیث میں صحیح و مقبول اور ضعیف و غیر مقبول حدیثیں شامل ہوں گی۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر حدیث میں تردد ہے کہ معلوم نہیں وہ مقبول ہے یا غیر مقبول ہے بلکہ اُصول و ضوابط کی روشنی میں علمائے حدیث یہ تحقیق کر چکے ہیں کہ کونسی حدیثیں مقبول ہیں اور کونسی غیر مقبول ہیں۔ ہمارے پاس جو حدیث کے ذخیرے اور کتابیں ہیں ان میں اسی دوسرے معنی میں احادیث جمع ہیں اور یہی احادیث سُنّت اور حدیث بالمعنی الاوّل کو جاننے کا ذریعہ ہیں۔

سُنّت کی تصدیق حدیث بالمعنی الثانی سے ہوتی ہے

بعض تجدد پسندوں نے سُنّت کو تو حجت قرار دیا اور حدیث بالمعنی الثانی (اگرچہ وہ ایک اور غلطی یہ کرتے ہیں کہ اس موقع پر مطلق حدیث کو ذکر کرتے ہیں) کی اہمیّت یہ کہہ کر گھٹاتے ہیں کہ اس میں صحیح ضعیف اور موضوع سب کچھ ہونے کا احتمال ہوتا ہے۔ یہ ان لوگوں کی بڑی غلطی ہے کیونکہ ہم ایک طریقے اور عمل پر لوگوں کو کاربند دیکھتے ہیں اور وہ لوگ اس کے سُنّت ہونے کا دعوٰی کرتے ہوں۔ تو یہ معلوم کرنا کہ وہ اپنے دعوٰی میں سچے ہیں۔ اس کے لیے دلیل چاہیے۔ کیونکہ اس کے سُنّت صحابی یا سُنّت تابعی یا کسی اور مجتہد کے قیاس و اجتہاد ہونے کا بھی احتمال موجود ہے۔ اُن کے دعوٰی کی تصدیق کے لیے حدیث بالمعنی الثانی کے علاوہ اور کوئی دلیل نہیں ہوسکتی جو ہمیں راویوں کے واسطے سے بتاتی ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا قول یا عمل اس کے موافق تھا۔

سُنّت و حدیث کی دیگر تفسیروں کی تحقیق

① چونکہ سُنّت رسول اور حدیث بالمعنی الاول باہم مترادف ہیں لہٰذا بعض حضرات نے سُنّت رسول کو حدیث سے تعبیر کیا اور صحابہ وتابعین کے آثار کو سُنّت سے تعبیر کیا۔ اسی بناء پر جب عبدالرحمن بن مہدی رحمہ اللہ سے امام سفیان ثوری، امام اوزاعی اور امام مالک رحمہم اللہ کے بارے میں پُوچھا گیا تو اُنھوں نے فرمایا سفیانؒ ثوری حدیث کے امام ہیں۔ سُنّت کے نہیں اور اوزاعی سُنّت کے امام ہیں حدیث کے نہیں اور مالک حدیث وسُنّت دونوں کے امام ہیں۔

② بعض حضرات نے سُنّت کے طریقے کے عملی ہونے اور حدیث کے کلام ہونے کو پیشِ نظر رکھا لہٰذا اُنھوں نے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے عمل کو سُنّت اور آپ کے قول کو حدیث سے تعبیر کیا۔

③ بعض حضرات نے حدیث بالمعنی الثانی کو سامنے رکھ کر حدیث میں روایت کا لحاظ کیا اور یُوں تفسیر کی کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا قول وفعل اس اعتبار سے کہ وہ آپ سے صادر ہورہا ہے سُنّت ہے اور اس اعتبار سے کہ اس کی روایت کی جارہی حدیث ہے۔

❁